

ARMAGHAN

VOLUME 4 2023 (JUNE)

ISSN (Print): 2707-6288 | ISSN (Online): 2788-8255

Journal Homepage: <http://armaghan.wum.edu.pk>

سیالکوٹ میں اردو غزل کا تذکرہ (اقبال سے صابر ظفر تک)

Mention of Urdu Ghazal in Sialkot (From Iqbal to Sabir Zafar)

نصیر احمد اسد، پی ایچ ڈی اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
عبد المنان چیمہ، پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
آصف اقبال، ایسوسی ایٹ پروفیسر آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Naseer Ahmad Asad, Ph.D Urdu, University of Sargodha, Sargodha

Abdul Manan Cheema, Ph.D Aloom-e-Islamia, University of Sargodha, Sargodha

Asif Iqbal, Associate Professor of Education, University of Education, Lahore

Abstract:

Ghazal is the most prominent type of poetry in Urdu literature. The worldwide Urdu poets have participated in ghazal poetry. Sialkot is the most significant and popular area in poetry of ghazal. Allama Iqbal, Faiz Ahmed Faiz, Moulana Zafar Ali Khan and Sabir Zafar are world renowned poets who belong to region of Sialkot. A large part of Allama Iqbal's poetry consists of ghazal poetry. Although Iqbal's ghazal subjects are unique from classical and traditional poetry, but classical and traditional way of poetry can be also seen in some places. The style of the poem is also prominent in Iqbal's ghazal. The themes of the poems were also expressed by Iqbal in the ghazal. The style of poetry in Bal-e- Jibril and Zarb-e-Kalim's ghazals is different from the early ghazal poetry. Virtual love can be seen in the early ghazal poetry while real love can be seen in later ghazals of Iqbal. In this research article, ghazals of Allama Iqbal, Faiz Ahmad Faiz and other selected poets of Sialkot have been analyzed with critical and analytical approach.

Key Words:

Ghazal Poetry, Sialkot, Iqbal, Faiz, Zafar Ali Khan, Shajar, Sabir Zafar

© 2023 The Authors, Published by WUM. This is an Open Access Article under the Creative Common Attribution Non Commercial 4.0.

علامہ اقبالؒ کی شاعری کا ایک بڑا حصہ غزلیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم شعری مجموعوں میں اقبالؒ کی کثیر تعداد میں غزلیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ان میں کچھ مسلسل غزلیں بھی ہیں جن میں ایک ہی طرح کے مضامین ملتے ہیں۔ اقبالؒ داغ دہلوی کے شاگرد تھے ان کی ابتدائی شاعری پر داغ کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ "باقیاتِ اقبال" کے نام سے مختلف محققین نے اقبالؒ کا جو منسوخ کلام مرتب کیا ہے ان پر بھی داغ کا رنگ واضح نظر آتا ہے۔ بانگِ درا کی کچھ غزلوں میں بھی داغ کا اندازِ بیان دیکھا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اقبالؒ کی غزل کے مضامین کلاسیکل اور روایتی شاعری سے منفرد ہیں لیکن کہیں کہیں کلاسیکل اور روایتی رنگ دیکھا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے کلامِ اقبال ملاحظہ ہو:

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ
کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رگِ زریں میں نقشِ کف پائے یار دیکھ (1)

اقبالؒ کی غزل میں نظم کا رنگ بھی نمایاں ہے جو موضوعاتِ نظم میں پیش کئے گئے ہیں ان کا اظہار غزل میں بھی ملتا ہے۔ اس حوالے سے اقبالؒ کی مسلسل غزلیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اقبالؒ کی بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کی غزلوں کا رنگ ابتدائی غزلیہ شاعری سے مختلف ہے۔ ابتدائی غزلیہ شاعری میں عشقِ مجازی جبکہ بعد کی غزلوں میں عشقِ حقیقی کے مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔ آخری دور کی غزلوں میں صوفیانہ تصورات، عقل و عشق، مشاہدہ کائنات، تسخیر کائنات، فکر و تدبیر، فلسفہ خودی، کلاسیکیت، مذہب، اخلاقیات، مناجات، استعاثہ اور سیاست جیسے موضوعات نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے کلامِ اقبال ملاحظہ ہو:

گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
آیا ہے تو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ
دم دے نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ (2)

حکیم شجر طہرانی کی غزل اپنے دور کے تمام رجحانات و موضوعات سے مزین ہے۔ شجر نے غزل کی جس فضا میں آنکھ کھولی اس میں غالب کا تفکر، مومن کی نفسیاتی معاملہ بندی، ذوق کا صاف ستھرا انسانی ذوق، حالی کی جدتِ فکر، داغ کی زبان اور عشقِ بازیاں موجود تھیں۔ شجر کی غزل صرف روایتی غزل نہیں بلکہ طرزِ بیان کی جدت و ندرت نے اس میں ایک نیا پن پیدا کر دیا ہے۔ شجر محبوب کے لب و رخسارِ تلّ پیرہن، غنچہ، دہن، گیسو اور اعضائے جسمانی کے حسن کے ذکر سے اپنے غزلیہ اشعار کو مزین کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کچھ شعر ملاحظہ ہوں:

آئینہ اور آئینہ و ش اس طرح ہیں رو برو
اک مجسم نور ہے اک نور کی تصویر ہے (3)

شجر کی غزل میں جمالیاتی پہلو اپنی تمام تر عنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہ جمال ہیئت 'معانی اور صورت کی رعنائیوں سے اجاگر ہوتا ہے۔ شجر کی غزل موضوع 'مواد' ہیئت اور جمالیاتی مفقتیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس حوالے سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

کلیاں قبا دریدہ ہیں گل چاک پیر ہن
لاتا ہے رنگ جوش بہاراں نئے نئے (4)

جدید شعر کی اکثریت شعر کو ابہام اور جدیدیت کی چاہ میں مبہم اور پیچیدہ بنادیتی ہے۔ شجر کا تعلق اس گروہ سے ہے جو شعر کو معمہ اور چیتاں نہیں بناتے بلکہ وہ اپنی قلبی واردات کا انکشاف سیدھے سادے لفظوں اور اسلوب سے کرتے ہیں۔ شجر کی غزل میں بے ساختگی اور سادگی پائی جاتی ہے۔ اسی ہنر کی وجہ سے ان کی شاعری میں سہل ممتنع کی خوبی پیدا ہوئی ہے۔ شجر نے اپنی غزل میں فنی محاسن سے بھی کام لیا ہے۔ صنائع بدائع اور تشبیہ و استعارات کے استعمال نے غزل کے معنوی اور صوری حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ شجر کی تشبیہ زندگی سے مربوط ہے اور استعارے بھی ہمارے سامنے کے ہیں۔ شجر کی شاعری میں ضرب المثل 'تلمیحات اور محاورات کا بھرپور استعمال ملتا ہے۔ شجر نے ہندی فارسی تہذیب میں زندگی گزاری ان کی غزل پر ہندی تہذیب اور زبان کے گہرے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ شجر اپنے پیش روؤں اور ہم عصر شعر خصوصاً غالب ' داغ اور اقبال سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال کا اثر شجر کی غزل اور نظم پر زیادہ ہے۔ شجر داغ سے براہ راست اور غالب سے بالواسطہ متاثر ہیں۔ غالب کے مختلف شعروں کے مفاہیم شجر کی شاعری میں واضح نظر آتے ہیں۔

مولانا طفر علی خان کی شاعری میں بھی غزلیہ عناصر پائے جاتے ہیں۔ جنگِ عظیم کے بعد کی تاریک فضا میں جہاد آزادی کے لیے جذبہ ایمانی اور سرفروشی تھا جس کی بدولت ترکوں اور افغانوں کو اغیار کے پنجہ ستم سے نجات ملی۔ ظفر نے انہی واقعات سے متاثر ہو کر پر تاثیر اشعار لکھے ہیں۔ پس منظر ہنگامی واقعات کا ہے مگر فکر و احساس میں آفاقی رنگ جھلک رہا ہے۔ قطع نظر موضوع کی وسعت و ہمہ گیری کے ان اشعار میں تغزل کا انداز بھی لطف و کیف پیدا کر رہا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

غم امت میں ہے چشمِ پیغمبر اشکبار اب بھی
گہر بیزی میں ہے معروف ابر نو بہار اب بھی
ہوا ہے دامن گل چیں ہی کو نہ ورنہ گلشن میں
وہی ہیں لالہ و گل اور وہی ان کی بہار اب بھی
سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہ لطف ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی
فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی (5)

مولانا ظفر علی خان نے فنی لحاظ سے غزل یا قطعے کے پیمانے کو زیادہ اختیار کیا ہے۔ ظفر کے کلام میں چند غزلیں بھی مل جاتی ہیں مگر بے کیف۔ حسن و عشق کے معاملات سے انہیں کوئی طبعی مناسبت نہ تھی۔ وہ کوچہ ہوا و ہوس سے دور رہے۔ غزل کے پیرائے بیان یعنی تغزل کو اپنے کلام میں اس طرح برتا ہے کہ اس کی مثال یا تو اکبر کے ہاں ملتی ہے اور یا ہم عصر اقبال کے ہاں۔ تغزل کی وضاحت کے لیے ان کی نظم ”انتظارِ سحر“ کے استعاروں ’کنایوں اور تلمیحوں پر غور کرتے ہوئے اس کے ایمانی انداز پر غور کریں اور پھر ظفر کے اشعار میں حسن تغزل کو دیکھا جاسکتا ہے۔

غم امت میں ہے چشمِ پیغمبرِ اشکبار اب بھی
گھر بیزی میں ہے مصروف ابر بہار اب بھی
ہوا ہے دامن گل چیں ہی کو تہ ورنہ گلشن میں
وہی ہیں لالہ و گل اور وہی ان کی بہار اب بھی
دل وحشی سے اس پھندے میں الجھا ہی نہیں جاتا
ہے برہم ورنہ پہلے کی طرح زلف نگار اب بھی (6)

مولانا ظفر علی خان کسی زمین میں بند نہیں تھے۔ کوئی موضوع ہو کوئی اسلوب ہو وہ ہر جگہ قادر الکلام تھے۔ اُن کے کلام میں آمد ہے آورد کو دخل نہیں ہے وہ بدیہہ گو شاعر تھے۔ قافیہ اور ردیف پر انہیں بڑی قدرت تھی۔ وہ قافیہ پیمائی نہیں کرتے۔ تشبیہ ’استعارہ‘ تلمیح ’تمثیل‘ اور شعری صنائع بدائع ان کے ہاں التزاماً نہیں آتے بلکہ بحر سخن کی روانی میں خود بخود بہتے چلے آتے ہیں۔ وہ اپنے فن پر خود بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ ظفر کا شعری اسلوب ان کی صحافت اور خطابت سے بہت متاثر ہے۔ صحافت اور خطابت کے ان تقاضوں نے ظفر میں بدیہہ گوئی کے وصف کو خوب اجاگر کیا جس کے لیے وہ اردو شاعری میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ سنگلاخ زمینوں ’مشکل قوانی سے عہدہ بر آہونے کے علاوہ بندش الفاظ‘ روز مرے اور محاورے کا جس فنی مہارت سے استعمال کیا اس کی مثال اردو شاعری میں کم ہی ملے گی۔ نادر اور اچھوتے قافیے لانے اور ان کو برجستگی کے ساتھ کلام میں کھپانے میں ظفر کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

محمد دین فوق کی غزلیہ شاعری میں تغزل کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ تغزل غزل کی بنیادی خوبی ہے۔ فوق کی غزل میں فکر و خیال کے متعدد زاویے موجود ہیں اور انہوں نے ان زاویوں کو حسنِ اظہار کے متنوع اسالیب میں بیان کیا ہے اور تغزل کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹا نظر نہیں آتا۔ فوق کی غزل میں روایت بھی موجود ہے۔ موضوعات غزل میں اور اسالیب اظہار و بیان میں ان کے ہاں روایت کی چھاپ بہت گہری ہے روایت کے حوالے سے کچھ اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

کہتے ہیں قصہ ترا سنتے کس لئے
وہ کوئی افسانہ آرائش محفل نہ تھا
ہم بڑی مدت سے سنتے تھے کہ ہے دیندار فوق
جب اسے پرکھا تو وہ دنیا کے بھی قابل نہ تھا (7)

غزل میں حمدیہ و نعتیہ اشعار کہنا اردو غزل کی مسلمہ روایت ہے۔ فوق کی بے شمار غزلوں میں حمدیہ و نعتیہ اشعار پائے جاتے ہیں۔ ہر شاعر اپنے معاشرے کا عکاس ہوتا ہے۔ معاشرتی احساس ہی مقیاس فن اور معیار ہنر ہے۔ فوق کی غزل میں بھی گہرے معاشرتی احساس کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ فوق نے اپنی نظم کے ساتھ ساتھ اپنی غزل میں بھی داخلی اور ذاتی حالات تفصیلاً بیان کئے ہیں۔ فوق کے ذاتی حالات کی عکاسی زیادہ تر ان کے مقطعوں میں ہوئی ہے۔ ان اشعار سے ان کی زندگی کے کئی گوشے ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔

اس حوالے سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

فوق پھر تیرا سخن مقبول عام کیوں نہ ہو
فیض ہو تجھ پر اگر کچھ داغ سے استاد کا (8)

امین حزیں نے اپنی شاعری میں اپنے مفکرانہ انداز کے ساتھ تغزل کو بھی قائم رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعرانہ معنی آفرینیوں سے تقریباً تمام علامات اور شعری روایات کے مفہوم کو بدل دیا ہے۔ ان کے یہاں گل و بلبل ’ زلف و رخسار ’ جام و ساقی ’ عشق و محبت کا شاعرانہ تصور اور ان کی جذباتی کیفیات بالکل مختلف ہیں۔ اس حوالے سے اشعار ملاحظہ ہوں:

دل کی بیتابیوں کے عالم کا
زندگی نام رکھ دیا کس نے (9)

امین حزیں کو غزل کے فن پر عبور ہے۔ وہ شعریت اور ادبیت کو اپنے مقصد پر قربان نہیں کرتے۔ جذبات کی فراوانی ’ تخیل کی بلند پروازی ’ وارداتِ قلبی کی اثر انگیزی اور اندازِ بیان کی کرشمہ سازی امین کے اشعار میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

تری نوا میں تڑپ بجلیوں کی لہرائے
نگاہ شوق دلِ بیقرار پیدا کر (10)

اثر صہبائی کی غزلیں سوز و گداز سے بھرپور ہیں۔ غم محبت یا زندگی کی ناکامیوں کا غم چشمِ بصیرت کو بہت تیز کر دیتا ہے۔ حقائق و معارف کا صحیح احساس ’ انسانی جذبات کی عمیق ترین گہرائیوں سے شناسائی اور تخیل کی بلند ترین چوٹیوں تک رسائی اس غم کی بدولت ہوتی ہے۔ اثر کے شعری مجموعے ”راحت کدہ“ کی غزلیں جس قدر سوز و گداز سے پر ہیں دوسرے مجموعوں کی غزلیں اس درد کو نہیں پہنچتیں۔ کیف و سرور و مستی غزل کا جزو اعظم سمجھی گئی ہے لیکن شاعر نے اس کا مفہوم اپنے اپنے خیال کے مطابق سمجھا ہے۔ اثر کے تمام کلام میں خواہ وہ غزلیں ہوں نظمیں ہوں یا قطعات و رباعیات سب میں کیف و مستی پائی جاتی ہے۔

پلائے جا ساقیا ! پلائے جا انتظار کیا ہے
جو لڑکھڑا جائے ایک دو ساغروں میں وہ بادہ خوار کیا ہے
چمن میں رقص طرب ہے برپا اٹھا لے اپنا رباب مطرب

عُبث یہ انجمن ہے تیرے دل میں کہ پھول کیا ہیں بہار کیا ہے
ازل سے خورشید و ماہ کے جام بزم ساقی میں چل رہے ہیں
مرید پیر مغاں کی نظروں میں دور لیل و نہار کیا ہے (11)

فلسفہ کی روح عقل، مذہب کی روح عمل اور شاعری کی روح جذبات ہیں۔ اثر جذبات پرست ہیں لیکن اثر کی طبیعت میں خوشگوار توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ جذبات کی پاکیزگی، انداز بیان کی شگفتگی اور مضامین کی تازگی ان کی شاعری کی خاص خصوصیت ہے۔ اثر کی شاعری میں تغزل کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کا تغزل رچا ہوا اور پوری سنجیدگی و متانت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایسا تغزل ہے جسے خلوص کی شدت نے پر تاثیر بنا دیا ہے۔ اثر کے مندرجہ ذیل اشعار سے صحیح تغزل کی مثال واضح طور پر سمجھ میں آ جاتی ہے۔

ڈوبی ہوئی نگاہ ہے رنگ حجاب میں
یا کوئی نو شکفتہ کلی نیم خواب میں
رنگینیوں میں غرق ہوئی ہے نقاب بھی
تم ہو کہ آفتاب چھپا ہے سحاب میں
زیر نقاب بھی تو بہت بے نقاب ہو
ہو جاؤ بے نقاب کہ تم آفتاب ہو (12)

عبد الحمید عرفانی نظم اور غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلیات چھوٹی بحروں میں ہیں کلام میں جاذبیت اور اختصار ہے۔ عرفانی کی غزل میں روایتی رنگ نہیں ملتا۔ ان کی غزل میں محبت اور واردات محبت کا بیان کم ہے۔ ان کی غزل پر عارفانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ عرفانی کے عارفانہ کلام کے حوالے سے رخشہ نسیم اپنے مقالہ میں لکھتی ہیں۔

ان (عرفانی) کے کلام میں جگہ جگہ عارفانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ کلام میں اتنی تاثیر ہے کہ ہر شخص کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ (13)

اختصار و جاذبیت اور معرفت کے حوالے سے ”کلیات عرفانی“ سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

حسن صبح بہار ہے تیرا
لالہ زر نگار ہے تیرا
میں ہوں اور کچھ شکستہ امیدیں
اور جہاں پر بہار ہے تیرا
جس کو اپنی خبر نہیں کوئی
کیا وہی راز دار ہے تیرا (14)

بشیر چونچال سیالکوٹی نے صنفِ غزل کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ غزل اور بالخصوص مزاجیہ غزل بڑی ریاضت مانگتی ہے۔ چونچال نے زلفِ غزل کی مشاطگی میں بڑی ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ بالعموم چھوٹی بحر استعمال کی ہے۔ زبان نہایت چست اور انداز بیان نہایت نپاٹلا ہے۔ غزل کے لطیف تلازموں کی رعایت کا ملاحظہ رکھی ہے۔ کمیت سے زیادہ کیفیت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اور اپنے نظریہ فن پر بھرپور عمل کیا ہے۔ چونچال کی غزل میں کہیں تقصید نظر نہیں آتی۔ زبان کے سادہ اور فطری بہاؤ میں کوئی گرہ دکھائی نہیں دیتی۔ اردو غزل فارسی کا تسلسل ہے۔ فارسی زبان کا سہارا لیے بغیر اب بھی اس کا قدم اٹھانا محال ہے۔ چونچال نے اس روایت کو اس قدر ملحوظ رکھا ہے کہ بانگِ دہل اعلان کیا ہے کہ میں نے غزل کو اصفہان کی سڑک پر چلایا ہے۔ ان کی ترکیب سازی پر فارسی کا ہی نہیں عربی کا بھی گہرا اثر ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے بڑی ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کے استعمال کی ہوئی کچھ تراکیب؛ چشمِ بزمِ گلن، بارِ سنگِ اخراجات، خنجرِ تکفیر، بیمارِ خود ستائی، وقفہ اظہارِ مدعا، ہنگامہ افراشِ تولید، قفلِ حسد، تلقینِ ریش، جرأتِ تکذیبِ حق، محرومِ ذکرِ ربِّ صمد، گنجینہٴ شبہات، کشتِ مملکت، در لب ہیں۔ ان کے ہاں لفظی مزاح کے حوالے سے بھی اشعار دیکھے جاسکتے ہیں:

نظم لکھ کر وہ نظامی بن گئے
میں غزل کہہ کر غزالی ہو گیا (15)

فیض احمد فیض نے غزل میں کلاسیکی انداز کو قائم رکھا اور نئے مضامین بھی پیش کیے۔ انھوں نے سیاسی مضامین و موضوعات بیان کرنے میں بھی تعزل کا سہارا لیا ہے۔ فیض ایک منفرد لہجے اور جمالیاتی و رومانی انداز کے شاعر ہیں۔ وہ بیسویں صدی کے ایک ایسے انقلابی شاعر ہیں جن کے ہاتھوں پر رومانیت اور سماجیت کے چراغ فروزاں ہیں۔ ان کے غنائی لہجے میں اتنی تاثیر ہے کہ انھیں ہیتی تجربوں کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ فیض کے ہاں رومان اور انقلاب یکجا ملتے ہیں۔ فیض نے اپنی غزلوں میں وطن سے محبت اور مظلوم انسانوں سے محبت کا ذکر خالص رومانی لہجے میں کیا ہے۔ ان کے ہاں جس محبوب کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی ایک ہتھیلی پر حنا اور دوسری ہتھیلی پر لہو کی چمک نظر آتی ہے۔ فیض کی شاعری کا بڑا موضوع محبت اور زندگی کی اجتماعی جدوجہد کی واردات ہے۔

فیض کی شاعری کے ابتدائی دور میں فیض کا موضوع جنسی محبت ہی ہے۔ اس میں کوئی اعلیٰ و ارفع جذبہ موجود نہیں ہے۔ فیض کے ہاں غمِ دوراں اور غمِ جاناں ایک ہی پیکر شعر میں یکجہاں ہیں۔ فیض کے نزدیک ادب کی دنیا ٹھوس خارجی دنیا ہے۔ رومانویت، انقلاب، اور حسن و عشق کی واردات یہ سب زندگی کے حوالے سے فیض کی شاعری کا جزو بنتے ہیں۔ فیض کا فنی کمال یہ ہے کہ انھوں نے کلاسیکیت اور رومانویت کو قالبِ شعر میں ڈھال کر ایک منفرد اسلوب اور لہجہ تخلیق کیا ہے۔ فیض نے تشبیہات و استعارات رومانی استعمال کیے ہیں۔ وطن کو اپنا محبوب قرار دے کر وطن سے محبت کا اظہار اس طرح کیا ہے۔ جس طرح کوئی اپنے محبوب سے عشق کر رہا ہو۔

لب پہ حرفِ غزل دل میں قندیل غم
اپنا غم تھا گواہی ترے حسن کی
دیکھ قائم رہے اس گواہی پہ ہم
ہم جو تاریک راہوں پہ مارے گئے (16)

فیض میر تقی میر کی طرح عشق کے زخم خوردہ تھے۔ اپنی زندگی کے پہلے ہی عشق میں ناکامی کا غم فیض کو ساری زندگی رہا۔ اس عشق کا اظہار طرح طرح ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ فیض کی غزل میں غنائیت، شگفتگی اور رنگینی و رعنائی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ زندگی کی سچی مسرتوں سے ہم کنار ہونے کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ فیض کے ہاں صرف بزم حبیب میں جانے کے خیال سے رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ فیض کی غزل جمالیاتی عناصر سے بھی بھری ہوئی ہے۔ زنداں میں فیض کا جمالیاتی مشاہدہ انھیں ایک خوبصورت ذوقِ جمال کا مالک بنادیتا ہے۔ جمالیات کے حوالے سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں
چمن میں آتش گل کے نکھار کا موسم (17)

طفیل ہوشیار پوری بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ طفیل کی شاعری میں اعلیٰ درجے کا تغزل ملتا ہے۔ سادہ سی بات کو غزل کے لب و لہجہ میں اظہار کی توانائی اور اثر انگیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ طفیل کی غزلوں کے علاوہ ان کی نظموں میں بھی تغزل کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ طفیل کی غزلوں میں موجود تغزل ہی کے باعث ان کے اشعار دل کی گہرائیوں تک اتر جاتے ہیں۔ طفیل کی شاعری میں مادہ پرستی پر گہری طنز ملتی ہے۔ نئے نئے سائنسی اکتشافات نے انسان سے انسان کا رشتہ کمزور کر دیا ہے۔ مادی ترقی نے روحانی تقاضوں کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ روحانی تقاضوں کو نظر انداز کر کے کی جانے والی ترقی کو کسی صورت ترقی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ طفیل نے اس موجودہ دور کی نام نہاد ترقی پر کھل کر تنقید کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ابھی تو خاک کے پردے التفات طلب
ابھی ارادہ تسخیر کائنات نہ کر
ذروں کے جگر چیر دیئے فکر و نظر نے
مستور ہے وہ جلوہ گہ ناز ابھی تک (18)

اصغر سودائی کی غزل میں کلاسیکی روایت کا ایک بھرپور احساس ملتا ہے۔ اس میں اردو غزل کے نمایاں لہجوں کا دلکش رچاؤ ہے۔ جسے انھوں نے اپنی ذہنی چنگی کی بنا پر بڑے فنکارانہ انداز میں اپنی غزل میں سمو دیا ہے۔ کلاسیکی شعر میں غالب ان کے پسندیدہ ترین شاعر ہیں۔ ابتدائی شاعری پر غالب کے اثرات ملتے ہیں۔ اصغر نے ان کے رنگ میں شاعری بھی کی ہے۔

اپنے زخموں کو کریدیں تو ہمیں چین آئے
کوئی ہم سا بھی نہ آزاد طلب ہو جائے
ہائے وہ ہنگامہ ہائے روز و شب
ہم کہاں ہیں وہ نہ تھے جن کے لیے (19)

اصغر سودائی کی غزل میں عشق مجازی کی جھلک بھی ملتی ہے۔ ان کا محبوب بھی اردو غزل کا روایتی محبوب لگتا ہے۔ جو عاشق پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ ان کی شاعری میں عشقیہ اشعار دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی روایتی عشقیہ داستان بیان کی جا رہی ہے۔ ان کے ہاں حسرت کا سا انداز ابھرتا ہے کہ محبوب خود کو چھپاتا بھی ہے اور ظاہر بھی ہوتا ہے۔

جو دل کی بات زباں تک نہ لا سکے دونوں
ادھر حیا کا تکلف ادھر حجاب سا تھا
اس جان تماشا کو محتاط اگر دیکھو
رہ رہ کے نظر اٹھے بھر بھر کے نظر دیکھو (20)

تاب اسلم اردو غزل کو حیاتِ دوام، جدت، انفرادیت اور استحکام دینے والوں میں سرفہرست ہیں۔ وہ استعارے، اشارے اور علائم کے پردے میں اپنی قلبی وارداتیں، جذبات اور ذہنی امور کی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں کہ ان کے ہر قاری کو ان کی اپنی داستان کا گمان گزرتا ہے۔ زندگی کے نئے تقاضوں اور ضرورتوں نے تاب کو موضوعاتِ شعری کی ایک نئی جہت عطا کی ہے۔

صورتِ مرگ ہے شہروں پہ شبِ دردِ محیط
اے نئے دن میں کہاں تک ترا رستہ دیکھوں
فاصلے پھیل گئے راہ میں صدیوں کی طرح
اب تو شاید مرا تجھ سے کبھی ملنا ہی نہ ہو (21)

تاب کی غزل میں جمالیاتی پہلو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہ جمالِ ہیئت، معانی اور صورت کی رعنائیوں سے اُجاگر ہوتا ہے۔ ان کی غزل داخلیت سے عبارت ہے۔ داخلیت ہی سے سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ اسی داخلیت اور سوز و گداز سے رمزیت اور ایمائیت، موسیقی اور غنائیت جیسی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں جن کے ہاتھوں غزل کی جمالیاتی ہیئت کا وجود ہوتا ہے۔ تاب کی غزل موضوع، مواد، ہیئت اور جمالیاتی حسن سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ تاب کی شاعری میں حسن و عشق کے عناصر بھی جا بجا ملتے ہیں۔ حسنِ محبوب ان کی شاعری کا ایک اہم موضوع بھی ہے۔ وہ حیات کے شاعر ہیں۔ وہ رنگ، لمس، خوشبو اور زندگی کے مختلف رنگوں کے عکاس ہیں۔ وہ محبوب کے حسن کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔

نرم و نازک تیرے قامت کی طرح
پھول بھی ہیں تیری صورت کی طرح
ہونٹ تیرے، تیری آنکھیں، ترا چہرہ دیکھوں
میں تری یاد میں کھو جاؤں تو کیا کیا دیکھوں (22)

صابر ظفر کے ہاں غزل حسن کاری اور حقیقت نگاری کا ایک دلآویز سنگم بن کر نمودار ہوئی ہے۔ صابر کی غزل یقیناً غزل کی کلاسیکی روایت سے پھوٹی ہے مگر اس نے اپنے دوسرے ہم سفر کی طرح اس روایت میں اپنی شخصیت، اپنا منفرد رویہ اور اپنے ہم عصر کی روح شامل کر کے ایک نئی روایت کی داغ بیل پڑنے کا امکان بھی پیدا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا صابر ظفر کی غزل کے بارے میں لکھتے ہیں:

نئی اردو غزل کا ذکر چھڑے تو بات صابر ظفر تک ضرور پہنچتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے نئی غزل کی سمفنی میں ایک ایسی آواز کا اضافہ کیا ہے جو اس سے ہم آہنگ ہی نہیں۔ آوازوں کے جھرمٹ سے الگ بھی ہے۔ صابر ظفر کے کلام میں ابھی سے ایک پائیدار نقش بننے کا وصف نمایاں ہو رہا ہے۔ (23)

اردو غزل میں تسلسل بیان کے نئے قرینوں کی تلاش کے سلسلے میں صابر ظفر نے بڑے متنوع تجربے کیے ہیں۔ اس حوالے سے پہلی کوشش ان کا شعری مجموعہ ”بارہ دری میں شام“ ہے جو طویل غزلیات پر مشتمل ہے۔ اس کی تمام غزلیں رومانی طرز احساس کی حامل ہیں۔ جن میں عاشق و معشوق کی وصل و فراق سے سرشاری کے ساتھ ساتھ مختلف کیفیات محبت کو نظم کیا گیا ہے۔ جدید حسیت سے مملو شاعری میں یہ اپنی نوعیت کا غالباً واحد تجربہ ہے جس میں آتش عشق کا گداز اور لذت گریہ کا تسلسل ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے۔

وہ پہلا پہلا تجربہ تھا عشق میں وصال کا
چلی جو سسکیوں بھری ہوا، عجب عجب طرح
ہم ایک دوسرے کے سنگ سنگ بھگتے رہے
اُٹھایا لطف بوند بوند کا عجب عجب طرح
سمجھ رہا تھا میں کہ وہ بہت کھٹور ہے
شباب سے عیاں ہوئی حیا عجب عجب طرح (24)

اُن کی غزلوں میں محض ایک عاشق کی آپ بیتی نہیں اس میں معشوق کا احوال بھی رقم ہے۔ جہاں عاشق کلام کرتا ہے وہاں معشوق بھی اپنی کیفیتوں کا اظہار ایک سرور، گداز اور سرشاری کے ساتھ کرتا ہے۔ گویا یہ سلسلہ غزلیات عشق کا صحیفہ ہے۔ جس میں عاشق اور اس کے محبوب دونوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

رات ساری جاگتی سوتی رہی میں
ایک میٹھے درد میں ڈوبی رہی میں
رہ گئی تھی اس کی خوشبو پاس میرے
اپنی سانسیں اس سے مہکاتی رہی میں (25)

حوالہ جات:

- 1: محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی، 2009ء)، ص 124۔
- 2: ایضاً، ص 124۔
- 3: شجر طہرانی، نوائے سروش (مسودہ)، (سیالکوٹ: مملوکہ علامہ اقبال لائبریری)، ص 20۔
- 4: ایضاً، ص 53۔
- 5: ظفر علی خاں، کلیاتِ ظفر علی خاں (بہارستان)، (لاہور: الفیصل ناشران، 2007ء)، ص 414۔
- 6: ایضاً، ص 106۔
- 7: محمد دین فوق، نغمہ و گلزار (لاہور: ظفر برادرز تاجران کتب، 1941ء)، ص 229-230۔
- 8: محمد دین فوق، کلام فوق (لاہور: ظفر برادرز، تاجران کتب، 1933ء)، ص 11۔
- 9: امین حزیں، گلہانگِ حیات (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران، 2006ء)، ص 181۔
- 10: امین حزیں، نوائے سروش (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران، 2006ء)، ص 96۔
- 11: اثر صہبائی، راحت کدہ (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، 1942)، ص 50۔
- 12: اثر صہبائی، روح صہبائی (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، 1945ء)، ص 11۔
- 13: رخشہ نسیم، سیالکوٹ میں اردو شاعری بیسویں صدی کے دوران، مقالہ برائے ایم اے اردو، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، 1979ء)، ص 60۔
- 14: ڈاکٹر عبد الحمید عرفانی، کلیاتِ عرفانی (سیالکوٹ: بزم رومی، 1983ء)، ص 150۔
- 15: بشیر احمد چونچل سیالکوٹی، منتقار (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2000ء)، ص 40۔
- 16: فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا (زنداد نامہ) (لاہور: مکتبہ کارواں، 2010ء)، ص 82-83۔
- 17: فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا (دستِ صبا) (لاہور: مکتبہ کارواں، 2010ء)، ص 32۔
- 18: طفیل ہوشیار پوری، شعلہ جام پر ایک نظر (لاہور: احسان اکیڈمی، 1978ء)، ص 201-202۔
- 19: اصغر سودائی، چلن صبا کی طرح (لاہور: صدیقی پبلی کیشنز، 1999ء)، ص 53-54۔
- 20: ایضاً، ص 71-72۔
- 21: تاب اسلم، نقشِ آب (لاہور: مکتبہ عالیہ، 1975ء)، ص 80-81۔
- 22: ایضاً، ص 54-55۔
- 23: ڈاکٹر وزیر آغا، ابتدا، از صابر ظفر (لاہور: التحریر، 1974ء)، ص 1۔
- 24: صابر ظفر، بارہ دری میں شام (کراچی: دانیال، 1996ء)، ص 37۔
- 25: ایضاً، ص 56۔

References:

1. Muhammad Iqbal, Dr., Kulyat-e-Iqbal (Lahore: Iqbal Academy, 2009), P.124.
2. Ibid, P. 124.
3. Shajar Tehrani, Navaey Sarosh –Maswada (Sialkot: Mamlooka Allama Iqbal Library), P.20.
4. Ibid, P.53.
5. Zafar Ali Khan, Kulyat-i Zafar Ali Khan (Baharistan) (Lahore: Al-Faisal Publishers, 2007), P.414.
6. Ibid, P.106.
7. Muhammad Din Fouq, Naghma o Gulzar (Lahore: Zafar Brothers Tajran Books, 1941), P.229-230.
8. Muhammad Din Fouq, Kalam-e-Fouq (Lahore: Zafar Brothers Tajran Books, 1941, p.11.
9. Amin Hazeen, Gulbang-e Hayat (Lahore: Al-Faisal Nasharan o Tajran, 2006), p. 181.
10. Amin-e-Hazeen, Nawaiy Sarosh (Lahore: Al-Faisal Nasharan o Tajran, 2006), p. 96.
11. ASar Sahbai, Rahat Kada (Lahore: Taj Company Limited, 1942), P.50.
12. Asar Sahbai, Rooh-i Sahbai (Lahore: Taj Company Limited, 1945), P.11.
13. Rukhsa Naseem, Urdu Poetry in Sialkot during the Twentieth Century, Thesis for MA Urdu (Lahore: Punjab University, 1979), P.60.
14. Dr. Abdul Hameed Irfani, Kulyat-i Irfani (Sialkot: Bazm Rumi, 1983), P. 150.
15. Bashir Ahmad Chonchal Sialkoti, Munqar (Islamabad: Dost Publications, 2000), P.40.
16. Faiz Ahmad Faiz, Naskha Haiy Wafa (Zindan Nama) (Lahore: Maktaba Karwan, 2010), P.82-83.
17. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha Haiy Wafa (Dast-e-Saba) (Lahore: Maktaba Karwan, 2010, P.32.
18. Tufail Hoshier Puri, Shoula Jam Par Aik Nazar (Lahore: Ehsan Academy, 1978), p. 201-202.
19. Asghar Sodai, Chalan Saba Ki Tarah (Lahore: Siddiqui Publications, 1999), P. 53-54.
20. Ibid, P.71-72.
21. Taab Aslam, Naqsh-e-Aab (Lahore: Maktaba Aliya, 1975), P.80-81.
22. Ibid, P.54-55.
23. Wazir Agha, Dr., Ibtada, by Sabir Zafar (Lahore: Al-Tahrir, 1974), P.1.
24. Saber Zafar, Bara Dari Main Shaam (Karachi: Daniyal, 1996), P. 37.
25. Ibid, P.56.